علمی تحقیقات

کیوں اور کس طرح؟

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

عرض ناشر

اسلام پر علمی اور تحقیقی کام کی ضرورت اور اہمیت جتنی آج ہے، اتنی شاید پہلے کبھی نہ تھی۔ جب یونانی فکر کا سیلاب آیا ہے اس وقت بھی فکر اسلامی ایک شدید چیلنج سے دوچار تھی۔ لیکن اس وقت مسلم معاشرے کی اپنی بنیادیں بڑی مضبوط تھیں۔ مسلمانوں نے زمانہ کے چیلنج کا مقابلہ بڑی بالغ نظری، اخلاقی جرأت اور تخلیقی ولولہ کے ساتھ کیا۔ لیکن آج ہم جن حالات سے دوچار ہیں انھوں نے ہمارے دور کے چیلنج کو اور بھی سنگین بنا دیا ہے۔ آج کے ہر میدان میں احیائے اسلام کی قوتیں وقت کے چیلنج کا مقابلہ کر رہی ہیں اور ان کو فکری اور علمی غذا میدان تحقیق ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

یہ تقریر مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ادارۂ معارفِ اسلامی کراچی کا افتتاح کرتے ہوئے ۲۲ر ستمبر ۱۹۶۳ء کو کی تھی۔ علمی تحقیقات کی اہمیت، افادیت اور ضرورت اور پیش کردہ عملی تدابیر کی خصوصیت کے پیشِ نظر اسے کتابچے کی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی تحقیقات کیوں اور کس طرح؟

دنیا میں جتنے علوم وفنون ہیں وہ سب درحقیقت دو حصوں پر مشتمل ہوتے ہیں، ایک حصہ تو خالص ان معلومات پر مشتمل ہوتا ہے، جو انسان کو دنیا اور اس کی زندگی اور خود اس کی اپنی زندگی کے متعلق مختلف زمانوں میں حاصل ہوتی ہیں اور دوسرا حصہ، اس چیز کا ہوتا ہے کہ حاصل شدہ معلومات کو ہر گروہ اور ہر قوم اپنے ذہن اور اپنے طرزِ فکر اور اپنے نقطۂ نظر کے مطابق مرتب کرتی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ روئے زمین پر، جو غذا کا سامان پھیلا ہوا ہے، قریب قریب مشترک ہے، بجز ان فرقوں کے، جو جغرافیائی اعتبار سے ہوتے ہیں ورنہ ایک ہی قسم کے مواد انسان کی غذا کے لیے اس زمین پر موجود ہیں لیکن ہر قوم کے لوگ اپنے اپنے مذاق کے مطابق، اسی مواد کو اپنے مخصوص طریقوں سے پکاتے ہیں اور اپنے لیے مختلف شکلوں کی غذائیں تیار کرتے ہیں۔ ایسا ہی معاملہ علمی معلومات کا بھی ہے کہ جہاں تک حقائق اشیاء کا تعلق ہے یعنی جہاں تک کچھ دنیا میں موجود ہے، اس کے بارے میں معلومات کا تعلق ہے، ان میں کوئی فرق نہیں۔ فرق اس صورت میں واقع ہوتا ہے کہ ان معلومات کو جمع اور مرتّب کرنے والا ذہن جس طرز پر سوچتا ہے اور، جو نظریہ رکھتا ہے اس کے مطابق ان کو مرتّب کر کے کون سا فلسفۂ زندگی بتاتا ہے، کیسا نظامِ فکر و عمل مرتب کرتا ہے؟ اور اسی وجہ سے تہذیبوں کی شکلیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ چناں چہ تمام دنیا میں جتنی بھی تہذیبیں ہیں وہ ان معلومات ہی پر مبنی ہیں، جو اس کائنات کے متعلق انسانوں کو حاصل ہیں۔ لیکن ہر تہذیب نے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق ان معلومات کو مرتب کیا ہے اور اس سے ایک

نظامِ فکر و عمل بنایا ہے اور اسی نظامِ فکر و عمل کا نام ایک خاص تہذیب ہے۔ ہر تہذیب کے امتیازی خطوط اور امتیازی خدوخال اسی چیز کی بہ دولت پائے جاتے ہیں۔

اب اس سلسلے میں یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ اگر کوئی قوم ایسی ہو، جو سوچنا اور تحقیق کرنا اور معلومات جمع کرنا اور نئی نئی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرنا چھوڑ دے تو وہ جمود میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ جمود کا نتیجہ آخر کار انحطاط ہوتا ہے اور انحطاط کا نتیجہ آخر کار، اس پر کسی دوسری قوم کا غلبہ ہوتا ہے۔ پھر جب کسی دوسری قوم کا غلبہ ہوتا ہے تو لامحالہ وہ محض سیاسی اور معاشی حیثیت ہی سے غالب نہیں ہوتی بلکہ سب سے بڑھ کر اس کا غلبہ فکری حیثیت سے ہوتا ہے یعنی اس کی تہذیب مغلوب قوم کی تہذیب پر غالب آجاتی ہے۔ اب اس کے بعد دوسرا مرحلہ اس مغلوب قوم کا یہ شروع ہوتا ہے کہ یہ دوسروں کی تقلید کرنا شروع کر دیتی ہے۔ دوسروں کا پس خوردہ کھانا شروع کر دیتی ہے۔ تحقیقات دوسرے کرتے ہیں، ان کو جمع دوسرے لوگ کرتے ہیں، ان کو مرتب کر کے ایک فلسفۂ حیات دوسرے لوگ بناتے ہیں، ایک نظامِ فکر و عمل دوسرے لوگ تیار کرتے ہیں اور یہ ان کے پیچھے پیچھے چلتی ہے اور ان کی ہر چیز کو قبول کرتی چلی جاتی ہے۔ یہ عمل جتنا جتنا بڑھتا جائے گا اور جتنا جتنا تکمیل تک پہنچتا جائے گا، اس مغلوب قوم کی انفرادیت ختم ہوتی چلی جائے گی یہاں تک کہ یہ فنا بھی ہو سکتی ہے اور ہوتی رہی ہے۔ ایسی قومیں دنیا میں گزری ہیں، جو اس طرح سے مٹیں کہ اب ان کی تہذیب صرف تاریخ کا سرمایہ ہے اور دنیا میں ان کا کوئی وجود نہیں۔

اسلامی تحریک جب دنیا میں اٹھی تھی اس وقت مسلمانوں نے دوسری قوموں پر محض سیاسی یا فوجی غلبہ ہی حاصل نہیں کیا تھا بلکہ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مسلمان بھی اس وقت ایسے تھے، جو تحقیقات کا کام کرنے میں سب سے پیش پیش تھے، جنھوں نے نہ صرف یہ کہ زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی، بلکہ ان معلومات کو اپنے نقطۂ نظر، اپنے طرزِ فکر اور اپنے عقیدے کے مطابق مرتب کیا۔ چناں چہ ایک ایسی غالب تہذیب اس کی بہ دولت وجود میں آئی جس کے رنگ میں دنیا رنگتی چلی گئی۔

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ مسلمانوں نے فنِ طب تک کو اس طرح سے مرتب کیا کہ طبّی کتابوں کو پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ یہ ایک عقیدہ رکھنے والی کسی قوم کی کتابیں ہیں۔ آغاز، خدا کی حمد

سے کریں گے اور دوائیں اس طرح سے منتخب کریں گے کہ اس کے اندر حرام اجزا شامل نہ ہوں۔ حلال چیزوں سے نسخے مرتب کریں گے، جگہ جگہ بیچ میں بیان اس طرح سے کریں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے، ان دواؤں کے اصلی خواص ذاتی نہیں اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں بیماریوں کی شفاء اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے اور ان دواؤں کا، کارگر ہونا اللہ تعالیٰ ہی کی بہ دولت ہے۔ نبض پر ہاتھ رکھیں گے تو ''بسم اللہ'' کہہ کر رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں گے کہ وہ رہ نمائی فرمائے۔ یہ ساری چیزیں کیا ہیں؟ فی الحقیقت وہی فن تھا اور وہی معلومات تھیں، جو دنیا کا کوئی طبیب فراہم کرے گا لیکن ان سب کو اپنی ذہنیت کے مطابق، اپنے عقیدے اور اس طرزِ فکر کے مطابق، انھوں نے ڈھالا۔

میں نے طبّ کی مثال اس لیے دی کہ طبّ کے متعلق آدمی یہ سمجھے گا کہ اس کا کسی عقیدے سے کیا تعلق ہے؟ لیکن آپ دیکھیے کہ جب کوئی عقیدہ اور مسلک رکھنے والا گروہ ہوتا ہے تو وہ دنیا کی ہر چیز کو اپنے نقطۂ نظر کے مطابق ڈھال لیتا ہے اور وہی چیز پھر غالب ہو جاتی ہے۔

مسلمانوں کے اس کام کا اثر یہ ہوا ہے کہ صدیوں دنیا یہ سمجھتی رہی کہ اگر تہذیب ہے تو مسلمانوں کی ہے، تمدّن ہے تو مسلمانوں کا ہے۔ غیر مسلم مسلمانوں کے خلاف تعصب رکھتے تھے، دشمنی رکھتے تھے مگر تقلید ان ہی کی کرتے تھے۔ دنیا میں مسلمانوں نے شرک کی جڑ کاٹ دی تھی اور توحید کو اس قوت کے ساتھ پھیلایا اور توحید کی اساس پر ایک نظامِ فکر، اس قوت کے ساتھ مرتّب کیا کہ مشرکین کے لیے یہ کہنا مشکل ہو گیا کہ شرک ہی حق ہے۔ وہ مشرکین، جو کبھی کہا کرتے تھے کہ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهاً وَّاحِدًا ج اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ٥ (ص:۳۸) یہ کیسی عجیب بات ہے کہ سارے خداؤں کو ختم کر کے اس شخص نے ایک ہی خدا بنا دیا۔ کہاں تو وہ وقت تھا جب وہ سمجھتے تھے کہ شرک حق ہے اور توحید عجیب بات ہے اور پھر کہاں یہ صورتِ حال ہو گئی کہ زیادہ مدّت نہ گزری کہ مشرکین کے لیے یہ کہنا مشکل ہو گیا کہ کئی خدا ہیں۔ انھوں نے اپنے عقیدوں کی تاویل اس طرح سے کرنی شروع کر دی کہ ہم جانتے تو ایک ہی خدا کو ہیں، لیکن یہ دوسری چیزیں، جو ہم کر رہے ہیں یہ اسی خدا تک تقرّب و شفاعت کا ذریعہ و وسیلہ ہیں۔ مختلف مشرک قوموں کے اندر توحیدی مسلک و مذاہب پیدا ہو گئے۔ خود آپ کے اس ملک میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ اسی

طرح سے مسلمانوں کا مرتّب کردہ فلسفہ، ان کے مرتّب کردہ سائنس، ان کے مرتّب کردہ علوم عمرانی، یہ ساری چیزیں دنیا کے اوپر چھاتی چلی گئیں۔ مغرب میں نشاۃ ثانیہ کی، جو تحریک اٹھی تھی وہ مسلمانوں ہی کے سکھائے ہوئے علوم کی بہ دولت اٹھی تھی۔ جو کچھ اسپین میں مسلمانوں کے علوم و فنون تھے اور جو ان کی درس گاہیں تھیں ان سے استفادہ کر کے، جو لوگ تیار ہوئے تھے وہی لوگ مغرب میں اس تحریک کے موجب بنے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ یورپ کے اہلِ علم عربی زبان میں لکھنا اور بولنا قابلِ فخر سمجھتے تھے۔ بہت سے لوگ ایسے تھے، جو ان کے مذہبی پیشواؤں میں شمار ہوتے تھے لیکن وہ اپنے پرائیویٹ خطوط عربی زبان میں لکھتے تھے۔ اس زمانے کے لوگوں کی شکایت آج تک تحریری شکل میں موجود ہے کہ ہماری قوم کے اہلِ علم وفکر پر عربی زبان اس طرح مسلط ہوگئی ہے کہ وہ اپنی پرائیویٹ زندگی تک میں عربی زبان کو استعمال کرتے ہیں اور اپنی زبان کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ یہ سب کچھ اس بات کا نتیجہ تھا کہ اس وقت علمی تحقیقات کا کام مسلمان کرتے تھے اور دوسری قومیں ان کا پس خوردہ کھاتی تھیں، ان کے مرتّب کردہ علوم کو سیکھتی تھیں، جس طرز پر مسلمانوں نے ان کو مرتّب کیا تھا، اس طرز پر وہ ان کو پڑھتی تھیں اور حاصل کرتی تھیں اور نتیجہ یہ تھا کہ ان کی ذہنیتیں اسلام کے طریقہ پر ڈھلتی تھیں۔ مغربی ممالک میں، جو مسیحی متکلمین کا ایک گروہ گزرا ہے، اس کی کتابیں آپ پڑھیے — آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کے متکلمین کی اور ان کے علمِ کلام کی جوں کی توں نقل اتاری جارہی ہے۔ وہی مسائل ہیں وہی اصطلاحات ہیں، وہی بحثیں ہیں بجز اس کے کہ انھوں نے مسیحی عقیدے کو اس کے اندر شامل کردیا ہے۔ لیکن آپ مسیحی متکلمین کی تحریروں میں اور مسلمان متکلمین کی تحریروں میں بجز تثلیث اور ابنیت کے عقیدے کے اور کوئی فرق نہیں پائیں گے۔

اس کے بعد ایک دوسرا دور آیا، جس میں مسلمانوں نے نئی تحقیقات کا کام قریب قریب ترک کردیا۔ جو کچھ علوم محققینِ سلف سے ملے تھے ان ہی کو پڑھتے پڑھاتے رہے۔ ان ہی کے اوپر حاشیے چڑھاتے رہے۔ حاشیے در حاشیے لکھتے چلے گئے لیکن نئی تحقیقات اور علوم وفنون میں آگے بڑھنے کا کام انھوں نے چھوڑ دیا۔ اور دوسری طرف اسی زمانہ میں اہلِ مغرب نے اس کا بیڑا اٹھایا اور تحقیقاتِ علمی شروع کی۔ انھوں نے نئی نئی معلومات جمع کرنی شروع کیں۔ انھوں نے ان کو مرتب کر کے نئے فلسفے اور نئے نظامہائے فکر وعمل کی تشکیل شروع کردی۔ اس کا، جو نتیجہ

ہوا وہ یہ کہ ایک طرف مسلمان رفتہ رفتہ جمود میں مبتلا ہوتے چلے گئے اور دوسری طرف اس علمی تحریک کی بہ دولت مغرب کی طاقت روز بہ روز بڑھنی شروع ہوگئی۔ ظاہر ہے جب وہ نئی نئی معلومات جمع کریں گے اور نئی نئی تحقیقات کریں گے تو نئے ذرائع اور وسائل ان کے ہاتھ میں ہوں گے۔ ان کے ذہنوں میں زندگی اور بیداری پیدا ہوگی اور آپ اس کو چھوڑ دیں گے تو آپ کے اندر لامحالہ جمود اور تعطّل پیدا ہوگا۔ آپ اپنی تاریخ کو اٹھا کر دیکھیے اٹھارہویں صدی تک پہنچتے پہنچتے مسلمان اور اہلِ مغرب کے درمیان اتنا نمایاں فرق ہوگیا کہ مسلمان مغلوب ہونا شروع ہوگئے اور مغربی قومیں ان پر غالب آنی شروع ہوگئیں۔ دو تین سو برس جمود میں لگے اور اس جمود کا نتیجہ آخر کار یہ ہوا کہ مسلمان مغلوب ہونا شروع ہوگئے اور مغربی قومیں غالب آنے لگیں۔ اٹھارہویں صدی سے مسلمانوں پر مغربی قوموں کی یورشیں اور ان کی فتوحات خود اس بات پر شاہد ہیں کہ علمی تحقیقات چھوڑ دینے اور جمود اختیار کرنے کے نتائج ہم نے کیا بھگتے اور انھوں نے اس کام کا بیڑا اٹھانے کے کیا فوائد حاصل کیے؟

جیسا کہ میں نے آپ سے عرض کیا کہ جمود کا لازمی نتیجہ انحطاط ہے اور انحطاط کا لازمی نتیجہ مغلوبیت ہوتا ہے۔ لیکن اگر علمی تحقیقات کی جائے اور مسلسل کی جائے اور نئی نئی معلومات فراہم کی جائیں اور ان کی بنیاد پر نئے نئے فلسفۂ زندگی تیار کیے جائیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حرکت پیدا ہوتی ہے اور اس قوم کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ غلبہ حاصل ہونے کے بعد جمود پر ہی معاملہ ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ، جو قوم غالب ہے اور جو تحقیقات کر رہی ہے، علوم وفنون کو جمع کر رہی ہے، معلومات فراہم کر رہی ہے اور ان کو مرتّب کر کے ایک تہذیب بنا رہی ہے وہ لازماً اپنی تہذیب کے ساتھ غالب آتی ہے۔ محض اپنی سیاست، اپنے اسلحہ اور اپنی فوج ہی سے غلبہ نہیں پاتی بلکہ اس کی پوری تہذیب مغلوب قوم پر غالب آنی شروع ہو جاتی ہے۔ یہ نقشہ پہلے بھی ہم دیکھ چکے ہیں اور آج بھی دیکھ رہے ہیں۔

اسلام کے غلبہ کے دَور میں تمام دنیا یہ محسوس کرتی تھی کہ تہذیب ہے تو مسلمانوں کی ہے، تمدّن ہے تو مسلمانوں کا ہے، فکر و علم ہے تو مسلمانوں کا ہے۔ اب اس کے برعکس یہ صورتِ حال پیدا ہوئی کہ خود مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات اتر گئی کہ کوئی تہذیب ہے تو اہلِ مغرب کی ہے، کوئی تمدّن ہے تو اہلِ مغرب کا ہے، علم وفن، جو کچھ بھی ہے اہلِ مغرب کا ہے ہمارا کام ان کا پسِ خوردہ

کھانا ہے، ہمارا کام ان کے پیچھے چلنا ہے اور ہمارا کام ان کی تقلید کرنا ہے۔ عملاً یہی صورت پیدا ہو چکی ہے۔ چاہے زبان سے ہم انکار کریں، چاہے زبان سے ہم مزاحمت کرنے کی کوشش کریں اور زبان سے ہم اظہارِ براءت کریں لیکن دیکھیے عملاً کیا ہو رہا ہے؟ عملاً یہی ہو رہا ہے کہ ہمارے اوپر مغرب کے افکار اور فلسفے، ان کی طرزِ زندگی، ان کی تہذیب اور تمدن سب کچھ چھاتا چلا جا رہا ہے۔ اس سے میں، جو بات آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر ہم اپنی زندگی چاہتے ہیں تو ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ ہم نئے سرے سے علمی تحقیقات کا کام کریں۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی وضاحت طلب ہے کہ علمی تحقیقات کس نوعیت کی ہمیں مطلوب ہیں؟

ایک تو وہ ریسرچ ہے، جو مغربی محققین ہم کو سکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ایک بے مقصد اور بے رنگ ریسرچ محض ریسرچ برائے ریسرچ ہے۔ مثلاً کتابوں کو ایڈٹ کرنا، ان کے مختلف نسخوں کا مقابلہ کر کے ان کی عبارتوں کے فرق کو پرکھنا، اور مصنفین کے سنینِ وفات و پیدائش کو جمع کرنا اور اسی قبیل کی، جو ریسرچ ہے یہ بے مقصد اور بے معنیٰ ریسرچ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ علوم وفنون میں مددگار ہوتی ہے لیکن بہ جائے خود یہ وہ ریسرچ نہیں ہے، جو کسی قوم کو زندگی کی حرارت عطا کرتی اور حیات میں حرکت پیدا کرتی ہے۔ یہ ٹھنڈی اور بے معنیٰ ریسرچ ہے۔ اہلِ مغرب ایک ریسرچ اور کرتے ہیں۔ وہ محرک قسم کی ریسرچ ہے۔ وہ اس مقصد کے لیے ہے کہ ان کے پاس وہ طاقتیں فراہم ہوں، جو ان کو دنیا پر غالب کر سکیں۔

ایک اور قسم کی ریسرچ اب ہمارے ملک میں شروع ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ ریسرچ تو اسلام کی کی جائے، مگر اس غرض کے لیے کہ ایک نیا اسلام تصنیف کیا جائے، جو تمام مغربی افکار و اقدار کے بالکل مطابق ہو۔ یعنی، جو کچھ مغرب میں حلال ہے وہ حلال ثابت کیا جائے اور جو کچھ مغرب کی نگاہ میں حرام ہے اسے حرام ثابت کیا جائے اور اسلام کو کسی نہ کسی طرح ڈھال کر ایسا دکھایا جائے کہ گویا یہ بھی مغربی تہذیب وتمدن کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ یہ ریسرچ بھی ہمارے کسی کام کی نہیں ہے۔

ہم، جو ریسرچ چاہتے ہیں اور جس غرض کے لیے چاہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ ٹھیک ٹھیک اسلام کے مطابق علوم وفنون کی تحقیقات کی جائے اور تحقیقات کر کے اسلام کے نظامِ فکر و عمل کو باقاعدگی کے ساتھ مرتّب کیا جائے۔ اس سلسلے میں چند مقاصد ہمارے پیشِ نظر ہیں اور ان ہی مقاصد کی تحصیل کے لیے ہم کام کرنا چاہتے ہیں۔

۱- سب سے پہلا کام ہم یہ کرنا چاہتے ہیں کہ مغربی فکر اور مغربی فلسفۂ حیات کا، جو طلسم بندھا ہوا ہے اس کو توڑ ڈالا جائے۔ ایک معقول اور مدلّل علمی تنقید کے ذریعے یہ بات ثابت کی جائے کہ مغربی علوم وفنون میں جتنے حقائق اور واقعات ہیں وہ دراصل تمام دنیا کا مشترک علمی سرمایہ ہیں اور ان کے ساتھ کسی تعصب کا کوئی سوال نہیں ہے۔ لیکن ان معلومات و حقائق کو جمع کر کے، جو فلسفۂ حیات اہلِ مغرب نے بنایا ہے وہ قطعی باطل ہے۔ ان کو مرتب کر کے، جو طرزِ فکر اور کائنات کے متعلق، جو تصوّر اور انسان کے بارے میں، جو خیال انھوں نے قائم کیا ہے اور جس کے اوپر اپنی پوری تہذیب کی عمارت انھوں نے اٹھائی ہے، وہ ساری کی ساری از اوّل تا آخر باطل ہے۔ جو معاشرتی علوم (Social Sciences) انھوں نے مرتّب کیے ہیں، جو معاشرتی فلسفہ (Social Philosophies) انھوں نے گھڑا ہے وہ موجبِ فتنہ وفساد ہے۔ وہ انسان کی فلاح کے لیے نہیں، بلکہ انسان کی تباہی کے لیے ہے، خود ان کی اپنی تباہی کے لیے ہے۔ یہ پہلا ضروری کام ہے جس کے ذریعے سے ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ مسلمانوں پر مغربی فکر و فلسفے کا، جو سحر ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ جس کے بغیر مسلمانوں کو اس ذہنی مرعوبیت اور ذہنی شکست خوردگی کی حالت سے نہیں نکالا جا سکتا اور جب تک وہ اس ذہنی شکست خوردگی میں مبتلا ہیں، اس وقت تک آپ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ مقلّد کی زندگی چھوڑ کر مجتہد کی زندگی اختیار کریں گے۔ اس وقت تک تو ان کا کام آنکھیں بند کر کے اہلِ مغرب کے پیچھے چلنا ہے۔ اس حالت کو آپ نہیں بدل سکتے جب تک کہ اس سحر کو نہ توڑ دیں اور اس حقیقت کو واضح نہ کر دیں کہ علمی حقائق اور چیز ہیں اور علمی حقائق کو ترتیب دے کر ایک فلسفۂ زندگی اور نظامِ حیات مرتّب کرنا بالکل دوسری چیز ہے۔ حقائق اپنی جگہ بالکل صحیح لیکن ان کو مرتّب کر کے، جو فلسفۂ حیات بنایا گیا ہے وہ فی الحقیقت بالکل غلط ہے۔

۲- اس کے آگے، جو دوسرا کام کرنا ہے، وہ یہ ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے تمام علوم وفنون

کو نئے اسلوب اور نئے طریقے پر مرتّب کیا جائے، تاکہ وہ ایک اسلامی تہذیب کی بنیاد بن سکیں۔ اسی طرح اسلام کے مطابق ہمیں ایک فلسفہ درکار ہے، جو انسان کے ذہن کی اس تلاش کو تسکین دے کہ حقیقت کیا ہے؟ مگر یہ تسکین اس عقیدے کے مطابق دے، جو اسلام نے ہمیں دیا ہے۔ حقیقت کی تلاش اور اس کی تڑپ انسان کی فطرت میں ہے، وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مگر تلاشِ حقیقت کے مختلف راستوں میں صحیح راستہ ہمارے نزدیک وہ ہے، جو انبیاء علیہم السلام کا تھا۔ اس راستے کے مطابق تلاشِ حقیقت اور کائنات کی حقیقت اور حیاتِ انسان کی حقیقت نیز اس کے مآل کو ایک فلسفے کی شکل میں مرتّب کرنا تاکہ آدمی کو اس کے مطابق ڈھالا جائے اور ظاہر ہے یہ اس کے بغیر نہیں ہوسکتا کہ ہم ایک فلسفہ، اسلام کے نقطۂ نظر کے مطابق مرتّب کریں۔ اس کے بغیر یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ آپ کی یونی ورسٹیوں اور کالجوں میں، جو فلسفہ پڑھایا جاتا ہے یا نفسیات کے، جو علوم پڑھائے جاتے ہیں یا دوسرے فلسفیانہ علوم کی تعلیم دی جاتی ہے، ان کو تبدیل کیا جاسکے اور ان کی جگہ کوئی دوسرا فلسفہ پڑھایا جاسکے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ روس میں مغربی تہذیب سے بالکل مختلف ایک تہذیب اٹھانے کی کوشش کی گئی اور جب روسیوں نے کمیونسٹ طرزِ فکر کو اختیار کیا تو وہ کسی طرح سے بھی، اس بات کو گوارہ نہیں کرسکتے کہ جس کو وہ بورژوا فلسفہ کہتے ہیں وہ اسے اپنی یونی ورسٹیوں اور کالجوں میں پڑھائیں کیوں کہ بہ حیثیت کمیونسٹ ان کے اپنے وجود کے لیے ضروری اور ناگزیر ہے کہ وہ ایک کمیونسٹ فلسفہ مرتّب کریں اور اسے اپنی نئی نسلوں کو پڑھائیں کیوں کہ جب تک وہ اس بورژوا فلسفے کو نہ ہٹائیں گے اور اس کی جگہ اپنا اشتراکی فلسفہ ذہنوں میں نہ بٹھائیں گے اس وقت تک نہ تو طرزِ فکر بدل سکتا ہے نہ ایک کمیونسٹ نظام کھڑا ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ہمارے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ ہم ایک اسلامی فلسفہ مرتّب کریں۔ تمام علومِ عمرانی کو نئے سرے سے ترتیب دیں۔ بلاشبہ واقعات اور حقائق وہی رہیں گے، جو دنیا کا مشترک علمی سرمایہ ہیں لیکن ان واقعات اور حقائق پر ایک پورا نظامِ فکر و عمل مرتب کرنا خواہ وہ معیشت کا علم ہو، خواہ قانون و فلسفۂ قانون کا علم ہو۔ غرض جتنے بھی علومِ عمرانی ہیں ان میں سے ہر ایک کو باقاعدہ مرتّب کرنے کی ضرورت ہے۔ جب تک ان کو اسلامی نقطۂ نظر سے مرتّب نہ کیا جائے گا اور کالجوں اور یونیورسٹیوں میں یہ علوم نہ پڑھائے

جائیں گے اس وقت تک آپ یہ توقع نہ رکھیں کہ یہاں کبھی اسلامی تہذیب اُٹھ سکتی ہے بلکہ اس کا باقی رہنا بھی مشکل ہے۔

آپ اپنے گھر میں اپنے بچے کو چاہے یہ عقیدہ سکھادیں کہ خدا ایک ہے اور رسول اللہ ﷺ اللہ کے نبی تھے۔ اور چاہے آپ اس کے ذہن میں یہ بٹھادیں کہ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے۔ اگر چہ بہت سے لوگوں نے یہ کام بھی چھوڑ دیا ہے اور اپنے بچوں کو وہ مشنریوں کے حوالے کردیتے ہیں تاکہ وہ، جو عقیدہ چاہیں ان کے ذہنوں میں اتار دیں۔ البتہ بعض لوگ احتیاطاً یہ ساری باتیں اپنے بچوں کے ذہن میں اتار بھی دیتے ہیں لیکن وہ بچے جب کالجوں میں جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے یہ صورت آتی ہے کہ تمام علوم، جو وہ پڑھ رہے ہیں ان کے اندر ''خدا'' کہیں بیچ میں آتا ہی نہیں۔ وہ سائنس پڑھ رہے ہوں یا علومِ عمرانی، کبھی ان کو یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ اس کائنات کے اندر خدا کا بھی کوئی کام ہے، وہ بھی کچھ کررہا ہے۔ ان کے سامنے یہ آتا ہی نہیں کہ رسولوں نے بھی کوئی علم الاقتصاد دیا ہے، رسولوں نے بھی کوئی فلسفۂ قانون دیا ہے، بلکہ اس کے برعکس ایک ایک علم، جو وہ پڑھتے ہیں ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھاتا چلا جاتا ہے کہ اسلام نے معاذ اللہ بہت سارے غلط کام کرڈالے ہیں۔ مثلاً اس نے سود کو حرام کیا گویا نعوذ باللہ ایک بڑا فضول کام کیا کہ اس سے دنیا کا کوئی معاشی نظام نہیں چل سکتا، اور کوئی مالی سسٹم (Financial System) کھڑا نہیں ہوسکتا ہے۔ ان کے سامنے یہ بات آتی ہے کہ اسلام نے چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا قرار دیا گویا معاذ اللہ بڑا وحشیانہ کام کیا۔ پھر اس نے زنا جیسی پر لطف اور تفریحی چیز پر خواہ مخواہ اتنی سخت سزا تجویز کی کہ کوڑے مار مار کر کسی کی پیٹھ کی کھال اڑادی جائے یہ بھی جیسے بہت وحشیانہ کام کیا۔

ذرا سوچیے! اس طرح کا طرزِ فکر، جب ان کے سامنے آئے گا تو کیا آپ توقع رکھتے ہیں کہ اس قسم کے لوگ اسلامی تہذیب کے سچے دل سے قائل اور اس کے پیرو کبھی ہوسکتے ہیں؟ اور پھر وہی لوگ، جو ان کالجوں اور یونی ورسیٹیوں سے نکلتے ہیں وہی آپ کے ملک کا نظام چلاتے ہیں، وہی آپ کے ملک کے سکریٹری بنتے ہیں، وہی جنرل بنتے ہیں، وہی آپ کی حکومت کے کار پرداز بنتے ہیں۔ ان کے دماغ میں یہ بات کیسے اتر سکتی ہے کہ یہ اسلام چلنے کے قابل ہے اور چلانے کے قابل ہے۔ چناں چہ آپ تعلیم یافتہ لوگوں کے ایک بڑے گروہ سے بات کرکے دیکھ

لیں، آپ کو تھوڑی ہی دیر میں یہ محسوس ہو جائے گا کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام اس زمانے میں چلنے والی چیز نہیں ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ سارے علوم انھوں نے جس انداز سے پڑھے ہیں اس کی وجہ سے ان کی سمجھ میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی کہ کوئی طرزِ زندگی یا نظامِ حیات مغربی نظامِ زندگی سے بہتر ہو سکتا ہے اور وہ چل بھی سکتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ قابلِ عمل صورت وہی ہے، جو مغربی طرزِ زندگی کی ہے کیوں کہ ایک چیز چل رہی ہے، کام یابی کے ساتھ چل رہی ہے، جب کہ دوسری چیز معطل ہے اور اس کا کوئی اثر، ان علوم وفنون پر نہیں ہے جن کو وہ پڑھ رہے ہیں۔

پھر تنقید کے کام کے ساتھ ساتھ دوسرا تعمیری کام، جو ناگزیر ہے اور جسے کرنے کی شدید ضرورت پیدا ہوگئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ تمام علوم کو اسلام کے نقطۂ نظر سے مرتب کیا جائے تاکہ ہماری نئی نسلیں اسلام کے برحق ہونے پر واقعی مطمئن ہو سکیں اور ان کو یہ اطمینان ہو کہ یہ چیز چلنے کے قابل ہے اور ان کے اندر یہ ارادہ پیدا ہو کہ اس کو چلانا چاہیے۔

۳- اس کے بعد، جو تیسرا کام ہمارے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ ایک نصاب مرتّب کیا جائے، جو اس طرز پر تعلیم کے قابل کتابیں تیار کرے ورنہ ابھی تک جو صورتِ حال ہے وہ یہ ہے کہ نیچے سے اوپر تک، جس کو دیکھیے وہ یہ بات کہتا ہے کہ ہم اسلامی تعلیم اس ملک میں رائج کرنا چاہتے ہیں لیکن اس وقت تک کوئی ایسی کوشش نہیں کی گئی کہ یہ مختلف علوم، جو ہماری یونی ورسیٹیوں میں پڑھائے جاتے ہیں ان پر کتابیں بھی اسلام کے نقطۂ نظر سے تیار کی جائیں۔ میں آپ سے ابھی عرض کر چکا ہوں کہ کمیونسٹ اس بات کے لیے تیار نہیں ہیں کہ وہ اکنامکس کی ایسی کتابیں پڑھائیں جو بورژوا اکنامسٹ نے لکھی ہیں۔ وہ اس کے لیے بھی تیار نہیں ہیں کہ وہ ایسا فلسفۂ قانون پڑھائیں، جو سرمایہ داروں کے ماہرین قانون نے مرتب کیا ہے۔ غرض اس طرح وہ نہ صرف یہ کہ سوشل سائنس بورژوا لوگوں کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھانے کے لیے تیار نہیں، بلکہ وہ ایک سوویت سائنس تیار کر رہے ہیں۔ یعنی معاملہ محض علومِ عمران تک محدود نہیں ہے بلکہ سائنس کو بھی کہتے ہیں کہ یہ سوویت سائنس ہے۔ تمام سائنٹیفک کتابوں کو انھوں نے اپنے نقطۂ نظر سے مرتّب کیا ہے اور وہ اس کے لیے تیار نہیں ہیں کہ کمیونسٹوں کی نئی نسل کی پرورش سرمایہ داروں کے مرتّب کردہ سائنسی ذخیرہ سے کریں۔

ہمارے ہاں معاملہ یہ ہے کہ اسلامی تعلیم کے معنیٰ یہ سمجھے جاتے ہیں کہ تمام اوقات

(گھنٹوں) میں تو ہم وہ علوم پڑھائیں، جو مغربی مصنّفین کی کتابوں میں ملتے ہیں اور صرف ایک پیریڈ میں لوگوں سے یہ بھی کہہ دیا جائے کہ ایک ہستی کا نام خدا بھی ہے جسے تم کو جاننا چاہیے اور ایک ہستی کو اللہ نے رسول بھی بنا کے بھیجا تھا۔ لیکن اس خدا اور اس رسول کا مظاہرہ (Function) ان کو باقی اسباق میں نظر نہیں آتا۔ بلکہ اس کے برعکس تمام علوم وفنون اس طرز پر پڑھائے جارہے ہیں جس طرز پر اہلِ مغرب نے مرتّب کیا ہے یا ہمارے ہاں کے ان لوگوں کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں، جو اہلِ مغرب کی مکھی پر مکھی مارنے کے عادی ہیں۔ اس سے آپ بالکل توقع نہ رکھیں کہ آپ کے ہاں وہ نسل کبھی پروان چڑھ سکے گی، جو یہاں اسلام کا احیاء کرلے اور احیاء کرنا تو درکنار اسلام کو باقی رکھ سکے۔ یہ راستہ سیدھا اپنی انفرادیت کو ختم کرنے کی طرف جارہا ہے، روز بہ روز ہماری انفرادیت فنا ہوتی چلی جارہی ہے اور ہماری حکومت اور ہمارے برسرِ اقتدار طبقے اور ہمارے بااثر طبقے، خواہ وہ تجّار کے ہوں، خواہ صنّاعوں کے، اہلِ مغرب کے سامنے یہ نقشہ پیش کررہے ہیں کہ ہم میں اور تم میں کسی لحاظ سے بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ جو تمھاری تہذیب وہ ہماری تہذیب، جو تمھارا تمدّن وہ ہمارا تمدن، جو تمھارے اخلاق وہ ہمارے اخلاق، جو تمھاری قدریں وہ ہماری قدریں۔ حتیٰ کہ ہم اس بات کو بھی مان گئے ہیں کہ جس حرام کو تم نے حلال کیا ہے وہ واقعی حلال ہے اور یہ غلطی ہماری تھی کہ اسے حرام قرار دے دیا تھا یا غلط فہمی تھی کہ وہ حرام ہے۔ اس صورتِ حال میں کیا آپ توقع رکھتے ہیں کہ یہاں اسلام باقی بھی رہ سکے گا، کجا آپ یہ توقع کریں کہ وہ نسلیں، جو اس طریقے پر پرورش پارہی ہیں اور یہ ذہنی تربیت پارہی ہیں وہ یہاں کبھی اسلام کے احیاء کے لیے کام کرسکیں گی اور اسلامی تہذیب وتمدّن کی علم بردار بھی بن سکیں گی؟

ایک اور مسئلہ، جو اس وقت ہمارے سامنے ہے وہ یہ کہ ہمارے ملک کا ایک حصہ جس کی آبادی اکثریت میں ہے اس کی زبان میں اسلام کے متعلق لٹریچر نہ ہونے کے برابر ہے۔ معاملہ یہ ہے کہ ہندی زبان کا لٹریچر اور ہندی زبان کے علوم وفنون زیادہ تر غیر مسلموں کے لکھے ہوئے ہیں اور وہ بھی ایسے غیر مسلموں کے جنھیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شدید تعصب تھا۔ جنھوں نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کا کوئی کارنامہ انسانی تہذیب وتمدّن کے شایانِ شان نہیں ہے۔ مسلمان اگر رہا ہے تو محض لچے اور لفنگے کی حیثیت سے رہا ہے۔ مسلمان نہ کبھی محبِّ وطن رہا اور نہ کبھی انسانیت کا خادم رہا۔ آزادی کی تحریک میں بھی ان کا کوئی حصہ نہیں

ہے اور آزادی کے لیے قربانیاں صرف ہندوؤں نے کی ہیں۔ غرض جن لوگوں کا نقطۂ نظر یہ تھا، ان لوگوں نے تاریخیں لکھی ہیں اور مسلمان نوجوان ان کو پڑھتے ہیں۔ انھوں نے ناول لکھے ہیں اور مسلمان نوجوان ادب کے نام سے انھیں پڑھتے ہیں لیکن اسلام کے متعلق بہت ہی کم لٹریچر اس زبان میں موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ہمارے لیے انتہائی خطرناک صورتِ حال ہے۔ ہمارے ملک کا آدھا حصہ اور وہ حصہ کہ جس کی آبادی اکثریت میں ہے اگر وہ اس حالت میں مبتلا رہے تو آپ اس حالت میں یہاں اسلام کے احیاء کی کیا توقع رکھ سکتے ہیں؟

اسی کے ساتھ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ اس ادارے میں، جو کچھ مرتّب کیا جائے وہ صرف اردو اور ہندی میں ہی نہ ہو بلکہ انگریزی اور عربی زبانوں میں بھی ہو۔ یعنی ترجمہ کا کام بھی ساتھ ساتھ کرتے چلے جائیں اور انگریزی اور عربی دونوں میں ان چیزوں کو لائیں۔ عربی میں لانا اس لیے ضروری ہے کہ دجلہ سے لے کر اطلانتک تک تمام مسلمان قومیں عربی زبان بولتی ہیں، ان کی عربی زبان ہے۔ اس وقت ان کی سولہ سترہ آزاد ریاستیں موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت بڑی طاقت ہے اور دنیائے اسلام کا دل ہے جب تک قرآن مجید سے مسلمان وابستہ ہیں لامحالہ وہ قرآن مجید کی زبان یعنی عربی کی اہمیت محسوس کریں گے اور اس کا اثر ہوگا۔ لہٰذا اگر وہ زبان کفر کی اشاعت کرنے لگے، اگر اس زبان میں لوگوں کو فسق و فجور ملے، اگر اس زبان میں لوگوں کو الحاد ملے تو آپ غور کیجیے کہ اس سے زیادہ خطرناک کیا ہوسکتا ہے۔ مزید برآں افسوس کی بات یہ ہے کہ عرب ممالک کے مسلمانوں پر مغربی تہذیب اور تمدّن کا غلبہ ہم سے بہت زیادہ ہے۔ ہم ان سے بہت پہلے مغرب سے مغلوب ہوئے تھے لیکن اتنے مغلوب ہم نہیں ہوئے جتنے کہ وہ ان سے متاثر ہوئے۔ درآں حالے کہ وہ ہمارے بعد مغلوب ہوئے۔ جتنی ریاستیں اس وقت عرب ممالک میں ہیں ان کے کارفرما زیادہ تر مغربی ذہن کے لوگ ہیں، اور ایسا عملی کام وہاں بہت کم ہورہا ہے، جو اسلام کے نقطۂ نظر کے ٹھیک مطابق ہو۔ تاہم وہاں بھی کام ہورہا ہے اور یہ خیال کرنا کہ وہاں کام نہیں ہورہا ہے غلط ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہاں، جو کچھ کام ہورہا ہے، اس کا مفید حصہ اردو اور ہندی زبان میں منتقل کریں تاکہ وہاں کی تحقیقات سے یہاں والے بھی بہرہ ور ہوں۔ اور یہاں جو کچھ ہم کریں اس کو عربی کے ذریعے وہاں منتقل کردیں تاکہ یہ ایک مشترک ذخیرہ بن سکے۔ اور

دوسرے مسلمان ملکوں میں بھی ایک صحیح اسلامی ذہن پرورش پا سکے اور وہاں کے کارفرما بھی اس بات پر مطمئن ہو سکیں کہ اسلام کو چلایا جا سکتا ہے اور ان کے اندر یہ جذبہ پیدا ہو کہ وہ اس کو چلائیں اور ان کو وہ طریقہ معلوم ہو کہ، جس سے اسلام کو چلایا جا سکے۔

اس ضرورت کو ہم بھی پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور عرب ممالک میں بھی بعض حصوں میں یہ کام ہو رہا ہے۔

انگریزی میں اس کی متعدد وجوہ سے ضرورت ہے اور آپ خود بھی محسوس کرتے ہوں گے کہ انگریزی میں اس چیز کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ اوّل تو خود ہمارے ملک کا بالائی طبقہ انگریزی زبان کے سوا کسی دوسری زبان میں کچھ پڑھنے کے لیے تیار نہیں ہے اور ان میں سے ایک اچھا خاصا گروہ ایسا ہے، جو پڑھنے کے قابل بھی نہیں ہے۔ اور ہمارے اونچے طبقے میں کچھ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کے لیے اردو زبان میں اپنا نام لکھنا بھی مشکل ہے۔ پچھلے دنوں ہمارے ملک کے ایک بہت بڑے آدمی کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ان کے صاحب زادے، جو انجینئر ہیں، ان کو کچھ اسلام سے واقفیت پیدا ہو۔ چناں چہ ایک صاحب ان کو اسلام کی تعلیم دینے کے لیے مقرر کیے گئے۔ معلوم یہ ہوا کہ وہ اردو زبان میں کوئی دینی تعلیم حاصل نہیں کر سکتے کیوں کہ اردو زبان میں وہ کچھ پڑھ ہی نہیں سکتے۔ لامحالہ ان کو انگریزی میں تعلیم دینے کی ضرورت پیش آئی حالاں کہ وہ اسی ملک میں پیدا ہوئے ہیں اور اسی ملک میں ان کا پورا خاندان پیدا ہوا ہے۔ لیکن وہ اس ملک کی زبان سے واقف نہیں تھے کہ دین کی تعلیم اردو میں حاصل کر سکیں۔ اس کے بعد کوشش کی گئی کہ کسی طرح وہ کم از کم قرآن مجید تو پڑھنے کے قابل ہو جائیں تو ان کو اس قابل بنانے میں ایک مہینہ لگا کہ وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور سورۂ فاتحہ پڑھ سکیں۔ وہ بے چارے کافی دنوں تک یہ کہتے رہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ الٹا کیسے لکھا ہوا ہے یعنی، جو سیدھا ہے ان کے نزدیک الٹا ہے۔ چوں کہ ساری عمر ان کی ادھر سے ادھر لکھنے پڑھنے میں گزری۔ اس لیے ادھر سے ادھر، جو کچھ لکھا اور پڑھا جاتا تھا ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ان کے سر میں درد ہونے لگتا تھا کہ بھلا کوئی زبان ایسے بھی لکھی جاتی ہے۔ یہ طبقہ ہمارے ہاں موجود ہے اور یہی طبقہ ملک کے معاملات کو چلا رہا ہے۔ اسی کے ہاتھوں میں ملک کی باگیں ہیں۔ اب کہاں یہ لڑائی لڑنے

جائیں کہ پہلے اردو زبان سیکھو تو ہم تمھیں دین سکھائیں گے۔ اس لیے ہمیں ان کے لیے اس زبان میں بھی مواد فراہم کرنا ہے، جس میں وہ سیکھ سکتے ہیں۔ تاکہ کم از کم ان کے عقیدے اور ایمان کو تو بچایا جاسکے۔

اس کے علاوہ باہر کے ملکوں میں اگر آپ اسلام کی تعلیم کو پھیلانا چاہیں تو کم از کم ہمارے لیے انگریزی ہی وہ واسطہ ہے کہ، جس کے ذریعہ ہم یہ خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ یوں تو تنہا ایک انگریزی ہی بین الاقوامی زبان نہیں ہے، دوسری زبانیں بھی ہیں، جن میں اسلام کے متعلق لٹریچر تیار کرنے کی ضرورت ہے، لیکن ہمارے پاس انگریزی کے سوا کسی اور زبان میں نشر و اشاعت کے ذرائع نہیں اور ایک مرتبہ انگریزی زبان میں اسلامی علوم کو ان کی صحیح شکل میں پیش کیا جائے تو اس کے بعد دنیا کی تمام زبانوں میں ترجمے ہونے کا امکان ہے۔ مثلاً ہماری ایک کتاب ہے، جس کا انگریزی زبان میں ترجمہ ہو چکا تھا، اب اس ترجمے سے جرمن زبان میں اور جاپانی زبان میں بھی ترجمے ہوئے ہیں اور دوسری زبانوں میں مثلاً فرنچ میں بھی شروع ہو گیا ہے۔ غرض دوسری زبانوں میں اسلام کی دعوت پہنچانے کا کام اللہ کے دوسرے بندے کریں گے۔ بالفعل ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ انگریزی زبان میں اسلام کے متعلق صحیح معلومات پہنچائی جاسکیں۔ یہ دنیا میں اسلام کی ترویج کا ایسا ذریعہ ہے، جس کو پوری طرح استعمال کیے جانے کی شدید ضرورت ہے۔

ہمارے پیش نظر اس کے ساتھ ساتھ دو کام اور بھی ہیں۔ اگرچہ اہمیت میں کم ہی سمجھے جائیں گے لیکن فی الواقع ان کی بھی بڑی ضرورت ہے۔

ایک کام یہ ہے کہ دنیا کے مختلف حصوں میں، جو مسلمانوں کی آبادیاں منتشر ہیں، وہاں ان کی نئی نسلوں کو ارتداد کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ مثلاً ویسٹ انڈیز میں اور دوسرے دور دراز کے جزائر میں۔ خود امریکہ، کنیڈا اور جنوبی امریکہ کے مختلف حصوں میں، جو مسلمان آبادیاں منتشر ہیں وہاں وہ اقلیت میں ہیں۔ کفّار کی حکومت بھی ہے اور اکثریت بھی ہے۔ ان کی تعلیم کا سارا نظام غیر اسلامی ہے۔ مسلمانوں کی تعلیم کا کوئی خاص الگ انتظام نہیں ہے۔ مسلمانوں کی نئی نسلیں روز بہ روز غیر مسلم اکثریت میں جذب ہوتی چلی جارہی ہیں۔ ان کو اسلام کے بارے میں اس کے سوا

کچھ نہیں معلوم کہ ہم مسلمانوں کی اولاد ہیں اور اس لیے ہم مسلمان ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان کی ضروریات کے مطابق کچھ مختصر نصاب ایسا تیار کر دیا جائے کہ کم از کم وہاں کی، جو نئی مسلمان نسلیں ہیں وہ مسلمان رہ سکیں اور ان کو اسلام کے متعلق ضروری معلومات حاصل ہو سکیں۔

دوسرا ضروری کام یہ ہے کہ مختلف علاقوں میں اسلام کی تبلیغ کی کوششوں کے نتیجے میں جو جو افراد اسلام قبول کرلیں ان کو اسلام کے متعلق ضروری معلومات فراہم کی جائیں۔ اس کے بغیر کوئی امکان نہیں ہے کہ وہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ایک مسلمان کی سی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکیں۔

اس مقصد کے لیے ایک ایسا مختصر سا نصاب تیار کرنے کی ضرورت ہے، جو ضروری فقہی مسائل پر مشتمل ہو، تاکہ جو جو لوگ اسلام قبول کرتے جائیں وہ اس کی مدد سے مسلمان کی سی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکیں۔ وہ جان سکیں کہ طہارت اور نجاست کیا چیز ہیں اور ان میں کیا فرق ہے؟ طہارت کیسے حاصل کی جائے؟ نماز کیسے پڑھی جائے؟ روزے کے احکام کیا ہیں؟ زکوٰۃ کے احکام کیا ہیں؟ اس کے ساتھ ہی ان کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ خود اسلام کے مبلغ بن سکیں۔ اس کے لیے ان کو ایسا مواد فراہم کر کے دیا جائے، جس سے وہ اسلام کو ٹھیک ٹھیک سمجھیں اور اس کی تبلیغ کر سکیں۔ اس چیز کے لیے بھی کچھ چیزیں تیار کرنا ہمارے پیشِ نظر ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ انگریزی کے ماسوا اگر دوسری زبانوں میں بھی اس کا انتظام ہو سکے تو جیسا کہ ہمارے پیش نظر یہ ہے کہ یہ کام سواحلی زبانوں میں بھی کریں تاکہ افریقہ میں یہ چیزیں پھیل سکیں۔ جیسے جیسے دوسری جتنی زبانوں میں یہ کام کرنے کے امکانات ہوتے جائیں گے۔ ان شاء اللہ اُن سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔

یہ اس کام کا ایک مختصر سا نقشہ ہے، جو ہمارے پیش نظر ہے۔ ہم نے یہ کام جس غرض کے لیے شروع کیا ہے اور جس ضرورت کو سامنے رکھ کر شروع کیا ہے اس کی وضاحت مختصر طور سے میں نے آپ کے سامنے کر دی ہے۔

میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ میں سے ہر ایک کے دل میں اس کام کے لیے ہمدردی کا

جذبہ پیدا ہو۔ ہم دردی کا جذبہ پیدا ہونے کے بعد اب یہ ہر شخص کے خود فیصلہ کرنے کا کام ہے کہ وہ اس میں کس کس طرح سے حصہ لے۔ اگر کوئی اپنی دماغی قابلیت، اس کام میں صرف کرنے کے لیے تیار ہو تو ہم بڑی خوشی سے اس کا خیر مقدم کریں گے کہ یہ کسی خاص گروہ کا کام نہیں ہے۔ اس ادارے کے دروازے ہر اس شخص کے لیے کھلے ہوئے ہیں، جو اسلام پر ایمان رکھتا ہے اور اپنی دماغی قابلیت اور اپنی ذہانت اور معلومات صرف کر کے اس کام میں ہمارا ہاتھ بٹانے کو تیار ہے۔ یہ ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے اور جتنے لوگ بھی ہمارے ساتھ شریک ہوں، ہم ان کے بھی شکرگزار ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے بھی ان کے حق میں اجر کی دعا کریں گے۔

جو لوگ اس معاملہ میں مادّی ذرائع سے ہماری مدد کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کو بھی اجر دے گا۔ ہمارے پیش نظر، جو کام ہے اس کے پس پشت کوئی ذاتی غرض نہیں۔ ہمارا کام اسی دین کے لیے ہے، جس کے ماننے والے باقی سب ہیں۔ جو جن ذرائع سے بھی، جو مدد کر سکتا ہو اس کا یہ فرض ہے کہ وہ اس میں کمی نہ کرے۔ ہمارے ساتھ، جو کم سے کم تعاون ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس ادارہ کے حق میں اگر اور کچھ نہیں تو کم از کم ایک کلمۂ خیر ہی کہہ دیں۔ بلکہ اگر کوئی شخص اس کام کو برائی سے یاد نہیں کرتا اور اس کے متعلق بدگمانی پھیلانے کی کوشش نہیں کرتا تو وہ بھی ہمارے اوپر مہربانی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو بھی اس مہربانی کا اجر عطا کرے گا۔
